Rooh-e-Tahqeeq, Vol.04, No.01, Serial No. 11, January – March 2026

A study of traditional and modern sufi thought in the colonial era: with reference to the poetry of Syed Ghulam Jilani Qadri Fazli

نو آبادیاتی عہد میں روایتی و جدید صوفی طرزِ فکر کا ایک مطالعہ

(سید غلام جیلانی قادری فاضلیؒ کی شاعری کے حوالے سے)

Prof. Dr. Nabila Rehman
Institute of Punjabi and Cultural Studies, University of the Punjab, Lahore
dr.nabilarehman@gmail.com

Abstract:
During British colonial rule, religion and language were employed in various ways to shape the politics of the Indian Subcontinent, contributing to the emergence of social attitudes such as hatred, dogmatism, and intolrence. In this context, Sufi through with its culturally pluralistic and multilingual tradition, developed an alternative discourse that illuminated the relationship between language,semantics and syntax while fostering an awareness of peaceful coexistance, harmoney and love. This paper explores these themses through an analysis of the poetry of Syed Ghulam Jilani Qadri Fazli, highlighting how his work articulates and reinforces the sufi ideals of inclusitivity and human solidarity.

Keywords:
British Colonial Rule, Languaeges, Religion, Politics, Semantics, Syntax, Sufi Thought, Harmoney, poetry

کیا وجہ ہے کہ کبھی کبھار ہمیں مذہبی عقائد کے حوالے سے اپنے روایتی، ثقافتی طرزِ اظہار کے مترنم حوالوں کو ماضی کے گم شدہ عوامی بیانیے میں ڈھونڈنا پڑتا ہے؟ ہماری معاصر طرزِ فکر میں علمی اختلافات مذہبی کٹڑتا کا روپ کیسے دھارتے ہیں نیز مذہب، عقیدے اور محبت کے قوانین کی سادہ و سہل زبان کثیف طرزِ اظہار (Blog standared) میں کیسے بدل جاتی ہے؟ ان ہی سوالوں کا جواب جب ہم برصغیر کی سیاسی و مذہبی و لسانی تاریخ میں ڈھونڈتے ہیں تو ہماری تلاش ہمیں صوفیائے کرام کے اُن متحرک و ہمہ گیر اور پُر اثر فکری حوالوں تک لے جاتی ہے جو وہ سماج میں مذکورہ بگاڑ، منفی رویوں اور فکری کثافت کو زائل کرنے کے لئے استعمال کیا کرتے تھے، جن سے بقائے باہمی، رواداری، ہم آہنگی، امن و آشتی اور محبت و رفاقت کا فروغ سہل ہو جایا کرتا تھا، خاص طور پر برطانوی راج کے نو آبادیاتی تناظر میں جب مطلوبہ مفادات کے لئے مذہب کو لسانی تعصب کے ذریعے استعمال کیا گیا اس حقیقت کو جانتے ہوئے کہ اس خطے میں کثیر اللسانی و ثقافتی روایات صدیوں سے موجود ہیں۔ نیز اس خطے میں لسانی سیاست کے ذریعے مذہبی تفریق و تقسیم کے اعصاب شکن کھیل سے ایسی فضا قائم کی گئی کہ آج تک یہ خطہ الفاظ و مفاہیم کے تفاوت و تفریق کی غلام گردشوں میں گھوم رہا ہے۔

قابل غور امر یہ ہے کہ حکومتی و سیاسی راہداریوں سے چلنے والی یہ گرد آلود ہوائیں جب سماج کے روشن چہروں کو دھندلا کرنے لگیں تو صوفیاء نے حُسنِ آدمیت، امن و آشتی اور بقائے باہمی کے تصور کو قائم رکھا۔ مذہبی و لسانی سیاست میں لپٹے زہر آلود بیانیے کو معاصر مقامی اور معروف زبانوں کے ذریعے مفاہیم یعنی Semantics کے ذریعے معتدل بنایا۔ اس ضمن میں سید غلام جیلانی قادری فاضلی کی علمی و فکری خدمات نہایت قابلِ تحسین ہیں۔ مگر بد قسمتی سے آپ کی حیات،

حالات اور خدمات اپنے ایک ہم نام بزرگ سیّد غلام جیلانی روہتکی کے نام سے مشہور ہوئیں۔ یہاں ہم اُن کے بارے میں شواہد کے مطابق اصل معلومات اور اُن کی فکری دین کے بارے میں بحث کریں گے۔

سیّد غلام جیلانی قادری فاضلی (۱۸۶۳-۱۹۵۳ء) کثیر اللسان صوفی شاعر تھے، عربی، فارسی، ہندی، سنسکرت، اردو اور پنجابی زبان پر دسترس رکھتے تھے۔ ۱۵ کتب کے مصنف تھے لیکن بد قسمتی سے آج تک اُن پر صحیح طور پر تحقیق نہیں ہو سکی اور جو ہوئی، وہ سید غلام جیلانی روہتکی (۱۷۵۰-۱۸۲۰ء) کے بارے میں ہی کی گئی اور وہ بھی زیادہ تر بھارتی پنجاب میں ہی کی گئی، پاکستانی پنجاب میں اُنہی معلومات پر اکتفا کرتے ہوئے ایک دو جگہ اُن کا مختصر سا تذکرہ کیا گیا۔ یوں سبھی بھارتی پنجاب کے محققین نے دو بزرگوں کے حالات و تصنیفات کو گڈ مڈ کر دیا۔ یہاں ہمارے ممدوح شاعر ''غلام جیلانی قادری فاضلی'' کے بارے میں مستند معلومات درج کی جا رہی ہیں :

آپ ۱۸۶۳ء میں موضع بھونڈری تحصیل جگراؤں ضلع لدھیانہ (اب ہندوستانی پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ والد بزرگوار کا نام سید امیر علی شاہ تھا۔ دادا سید بھکھے شاہ تھے۔ پیشے کے اعتبار سے حکیم تھے۔ فنِ جراحی میں مشّاق تھے۔(۱) موسیقی سے رغبت رکھتے تھے، ستار نواز تھے اور اس میں انہیں مہارت تامہ حاصل تھی یہ علم آپ نے اُستاد رحمت علی خان سے سیکھا تھا اور اس مشغلے کو آپ نے عمر کے آخری حصّے تک جاری رکھا۔(۲) سیر و سیاحت کے دلدادہ تھے اس لئے اُن کے قرب و جوار کی سیر و سیاحت کے شواہد اُن کی کتب میں سے بھی ملتے ہیں۔(۳) ۱۹۰۱ء میں جب ساندل بار میں آبادکاری ہوئی تو آپ اپنے اہل و عیال کے ہمراہ ۱۹۰۴ء میں لائلپور کی تحصیل سمندری (موجودہ فیصل آباد، پاکستان) کے موضع پیر کوٹ ☆ میں آکر آباد ہوئے،(۴) آج بھی آپ کے خاندان کے افراد یہاں مقیم ہیں، مزار بھی یہیں ہے، جہاں ہر سال ۱۰ اسوج ۲۴-۲۵ ستمبر کو آپ کا عرس منعقد ہوتا ہے۔ مزار کے احاطے میں آپ کے خاندان کے دیگر افراد کی قبور ہیں اور ساتھ ایک چھوٹا سا قبرستان ہے جس میں پرانا پیپل کا درخت موجود ہے، قبرستان کے ارد گرد چار دیواری ہے اور یہ گاؤں (پیر کوٹ) سے باہر کُچھ فاصلے پر ہے۔ آپ چار بیٹوں اور دو بیٹیوں کے والد تھے۔ بیٹوں کے نام کچھ یوں ہیں:

۱۔ سید بشیر جیلانی شاہ، ۲۔ سید امیر جیلانی شاہ، ۳۔ سید انور جیلانی شاہ، ۴۔ سید مشتاق جیلانی شاہ

پیر کوٹ میں سیّد غلام جیلانی فاضلی کی اب تیسری نسل آباد ہے، خاندان کے کچھ افراد محلہ چڑھ، کمالیہ (ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ) میں رہائش پذیر ہیں۔

آپ نے پیر کوٹ میں آبادکاری کے بعد زراعت کے لیے کچھ زمین چشتیاں ضلع بہاولنگر میں خریدی تھی، کچھ عرصہ وہاں قیام بھی کیا۔ آج بھی آپ کے خاندان کے افراد اس زرعی زمین سے مستفید ہوتے ہیں۔(۵) سید غلام جیلانی فاضلی نے ضلع گورداسپور کے شہر بٹالہ کے جیّد صوفی بزرگ سید محمد فاضل الدین قادری بٹالوی ☆ کی پُشت کے آٹھویں سجادہ نشین سید نذر محی الدین (۱۸۸۲-۱۹۶۱ء) کے ہاتھ پر ۱۹۰۱ء میں بیعت کی،(۶) اُس وقت سید نذر محی الدین کی عمر تقریباً بیس سال اور سید غلام جیلانی فاضلی کی عمر چالیس برس تھی۔ اُن کے صاحبزادے عمر کے اس فرق کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

''حضرت پیر سید نذر محی الدین کی حضرت پیر سید غلام جیلانی شاہ کی نسبتِ ارادت بالکل اُسی طرح تھی جیسے بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کی نسبت حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے تھی کہ عمر میں مرید، پیر سے زیادہ معمر تھا اور محنت و مجاہدہ کا یہاں بھی وہی عالم تھا جو وہاں تھا۔۔۔۔۔۔ حضرت پیر سید نذر محی الدین کا جُملہ خلفاء میں جو مرتبہ پیر سید

غلام جیلانی شاہ مرحوم و مغفور کا تھا اس پر باباجی قدس اللہ سرہٗ کو بھی بے حد ناز تھا بلکہ پیر و مُرید میں عشق تھا اور عشق بھی ایسا جیسا بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کو اپنے خلیفہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے ساتھ تھا۔ سید غلام جیلانی فاضلی نے سید نذر محی الدین سے خرقہ خلافت حاصل کی اور پھر مُرشد کے حکم پر (یہ حکم اُن کی سند خلافت پر درج ہے) پانی پت (کرنال) میں سید گل حسن کی صحبت میں چلے گئے، دیگر صوفیاء جن سے آپ نے فیض پایا، اُن میں ایک سائیں قطب شاہ سندھیلیانوالی بھی شامل ہیں، جو اپنے دور کے ایک جیّد اور کثیر المُرید صوفی تھے۔ انہی کے حکم پر سید غلام جیلانی فاضلی نے اپنے بیٹے سید انور جیلانی کو طب کی خدمات سرانجام دینے کیلئے اُس بستی، پیر محل (ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ) میں بھیجا تھا۔" (۷)

جیسا کہ ہم پیچھے ذکر کر چکے کہ سید غلام جیلانی قادری فاضلی ہندی، اردو، فارسی، عربی، سنسکرت اور پنجابی زبان کے ماہر تھے اور انگریزی بھی جانتے تھے، ادبی روایت میں اتنی زبانوں میں شعر کہنے والے کو 'ہفت زبان شاعر' کہتے ہیں، یوں آپ کا علمی و ادبی تعلق سندھ وادی کے عظیم قادری صوفی شاعر سچل سرمست اور اُن کے شاگرد فقیر قادر بخش بیدل سے جُڑتا ہے۔ کیونکہ سندھ اور پنجاب کے یہ قادری صوفیاء کئی زبانوں میں شاعری کر کے "ہفت زبان شاعر" کہلاتے تھے۔ یہاں سید غلام جیلانی قادری فاضلی کی کتب کی تفصیل مختصراً پیش کی جارہی ہے جن میں ان کی کثیر السانی شاعری، فہم، عمیق مطالعہ، سماجی شعور اور بقائے باہمی کا بھرپور تصور نظر آتا ہے:

۱۔ سراپا رمز یعنی موجِ عشق: پنجابی بولیوں واُن کی تشریحات پر مشتمل تصوف کے اسرار و رموز سے بھرپور کتاب ہے۔

۲۔ رموزِ نہانی شرح ہیر غلام جیلانی: داستان ہیر رانجھا کے رومانوی کرداروں کے ذریعے تصوف کے گہرے رموز کو اس کتاب میں تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔ شعر و نثر ہر دو کے ذریعے آپ نے پنجابی، اردو، ہندی، عربی اور فارسی حوالوں سے روحانیت کے مضامین پر خامہ فرسائی کی ہے۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۹۱۸ء چھپی تھی جس سے آپ کو شہرۂ آفاق دوام حاصل ہوا۔

۳۔ خطوط السالکین: اس میں آپ کے مریدین کے نام منظوم و منثور چٹھیاں ہیں۔ زیادہ تر چٹھیاں آپ کے چہیتے مرید مولوی نعمت علی کی ہیں۔

۴۔ رسالہ مانع تمبا کو نوشی و قباحتِ حُقّہ: جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ اس میں تمبا کو نوشی کے مضمرات بتائے گئے ہیں۔ "اس کتاب کی بدولت آپ نے بُہت سے مریدین و معتقدین کی تمبا کو / حقہ نوشی ترک کرائی۔" (۸)

۵۔ سجدہٗ تعظیمی یا تعظیمِ مُرشد: اس کتاب کے بارے میں سید امیر جیلانی لکھتے ہیں: "خواجہ حسن نظامی دہلوی کے رسالہ 'تعظیمی سجدہ' سے چند کم ظرف لوگوں نے شور و غوغا کھڑا کر دیا تو سید غلام جیلانی نے خواجہ صاحب کے مطلب و مقصد کو "سجدہ تعظیمی" میں سہل انداز میں پیش کر کے شکوک و شبہات کا ازالہ کیا۔" (۹)

۶۔ صلوٰۃ دائمی: نماز اور ذکرِ الٰہی کے بیان میں یہ ایک اہم تصنیف ہے جس میں قربِ الٰہی پانے کے لئے ذکرِ الٰہی پر زور دیا گیا ہے۔

۷۔ صراط العارفین یعنی فیضانِ غوثیہ: صراط العارفین یعنی عارفوں (بزرگوں) کا راستہ۔ اس کتاب کا مآخذ آپ کے روحانی استاد (دوم) کے مُرشد سید غوث علی شاہ قلندر ہیں۔ یہ اُن کے ملفوظات پر مبنی دلچسپ کتاب ہے۔ اس میں بھی عربی، فارسی اور ہندی حوالہ جات ہیں اور طب سے متعلق ایک 'ڈرامہ' بھی ہے۔

۸۔ بہشت دی کنجی یا محبوب خدا: اسلام میں کلمہ اوّل کو "کلمہ طیب" بھی کہا جاتا ہے۔ اس کتاب میں کلمہ اوّل کی اہمیت و فضیلت کو اشعار کی صورت میں بیان کیا گیا ہے، یہ کتاب سب سے پہلے ۱۹۲۷ء میں شائع ہوئی تھی۔ اب تک اس کے درجنوں ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

۹۔ کتاب البیعت: اس میں بیعت مُرشد و احترامِ مُرشد سے متعلق ہدایات ہیں۔

۱۰۔ نغمہ مکمل: سید غلام جیلانی فاضلی کی کافیوں، دوہڑوں و غزلیات پر مبنی متصوفانہ کلام ہے۔

۱۱۔ کلیاتِ غلام جیلانی: اس میں آپ کا کلام دوہڑوں، سی حرفیوں، غزلیات اور کافیوں پر مبنی ہے کُچھ کلام وہ ہے جو نغمہ مکمل میں سے بھی شامل کیا بھی ہے۔

۱۲۔ پریم پیالہ ۱۳۔ پریم لہر ۱۴۔ جوگ ساگر ۱۵۔ پریم بانی

آخری چاروں کتب (۱۲ تا ۱۵) ہندی الفاظ و تراکیب و متھاس پر مبنی ہیں۔ جوگ ساگر ماہنامہ گنگوتری، دہلی میں قسط وار شائع ہوتی رہی ہے۔

اُن کی حیات و تصنیفات کے بعد اگر سید غلام جیلانی فاضلی کے افکار کے بارے میں محققین کی رائے پر نظر ڈالیں تو انسائیکلوپیڈیا آف صوفیز آف ساؤتھ ایشیا میں درج ہے۔

> "His work indicate further permeation of Hindu thought in Sufism. There is hardly any Islamic element in him and he is through a Hindu ascetic in thought as well as in Practice." (10)

اس کے بعد انہیں 'بلھے شاہ' کی طرح ہندو افکار سوائے آواگون کے، اپنائے ہوتے قرار دیتے ہیں:

> "Bullhe Shah accepted also all Hindu ideas which were held in great esteem at his time exept that of transmigration of soul. This Ghulam Jilani Rohtaki* accepted. He takes inspiration from the Hindu vedant, and Yoga Shastaras. His 'Jog Sagar' is replete with the Hindu religious beliefs, terminology and references. His verse is off didactic nature and thus holds little literary merit.(11)

یہی نہیں بلکہ وہ سید غلام جیلانی فاضلی کے کلام کو سطحی ادبی تخلیق قرار دیتے ہیں اور اُس میں کسی فلسفیانہ گہرائی کے نہ ہونے کا فتوٰی صادر کرتے دکھائی دیتے ہیں:

His verses do not require any deep or philosophic discussion to find out the Hindu influence in it. He plainly and undisguised recommends Hindu scripters and practices to his followers:

Tur Gaye Parlok ander, Jinhan jog marag chit dhar lia
Atth ang phir jog de samjh piare, nit apna chit sudhar lia

ٹ: ٹُر گئے پر لوک اندر، جنہاں جوگ مارگ چت دھار لیا

اٹھ انگ پھر جوگ دے، سمجھ پیارے، نت اپنا چت سُدھار لیا

Those who have adopted the path of yoga, have realized the Truth: follow the eight-fold practice of yoga and thus purify the mind).

He refers to the tenth door of the yogis as the fires of hell. He, like Hindu ascetics appeals to the people to adopt the path of God and thus utilize the life period for attaining emancipation. He lays emphasis on the transitoriness of the worldly achievements to create indifference towards the worldly life. (12)

یہ بات درست ہے کہ سید غلام جیلانی قادری کی شاعری میں ہندی عناصر موجود ہیں لیکن صرف ہندی ہیں، تو یہ کہنا غلط ہو گا کیونکہ ہم پیچھے ذکر کر چکے ہیں کہ آپ عربی، فارسی، اردو، ہندی، سنسکرت اور پنجابی زبانوں کے ماہر تھے ان تمام زبانوں کے الفاظ، ترکیبات، اقوالِ علماء، آیات قرآنی، احادیث اور مولانا رومی، سعدی و حافظ شیرازی کے اشعار بھی اُن کے

کلام اور تشریحات میں جابجا ملتے ہیں۔ جہاں تک ہندی زبان کے گہرے اثرات اور آواخر عمر میں ہندی کتب (پریم بانی، پریم لہر، جوگ ساگر، پریم پیالہ) کی تخلیق کا معاملہ ہے تو اس ضمن میں انکے بیٹے کی یہ تحریر دیکھئے:

''آخری سالہائے زندگی میں ہندی زبان کی طرف زیادہ میلان ہو گیا تھا۔ اہلِ طریقت نے اپنی تصانیف کو دو وجوہ سے ہندی میں لکھنا پسند کیا ہے ایک وجہ تو یہ ہے کہ علمائے ظواہر کم ظرف ہونے کے باعث فقراء کے دشمن ہوتے ہیں اور اُن کے کلام کی سُنہ کو تو پہنچ نہیں سکتے اعتراضات کی دلدل میں پھنس کر رہ جاتے ہیں، اپنی روح کی پژمردگی کے باعث دوسروں کو بھی حقیقی منزل پر پہنچنے سے روکتے ہیں، اُن کے ہاتھ میں کفر کا بیگ ہوتا ہے۔ ہر کسی کو کافر و مشرک سمجھتے ہیں، ان بدزبان اور دریدہ دہن لوگوں کی بدگوئی سے بچنے کے لئے درویشوں نے اپنے راز و نیاز کی باتیں ہندی زبان میں کی ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ غیر مسلم فرقے عربی اور فارسی زبان کی کتابوں کو کیا سمجھیں کہ ان میں کیا ہے ان کو اس راہ پر لانے کیلئے ضرورت ہے ایسی کتابوں اور لٹریچر کی، جو ان کی اپنی بھاشا میں ہو، تاکہ ان کی طبیعت کا میلان جس زبان سے ہے اِسی زبان میں ان کو تلقین کر کے راہِ حق و ہدایت پر لایا جائے۔''(۱۳)

یوں آپ کے بیٹے (سید امیر جیلانی) نے سید غلام جیلانی فاضلی کے جس میلانِ طبع اور عوام الناس میں سے کُچھ افراد کے ردّ عمل کی طرف اشارہ کیا، جس کی موہوم سی گواہی یا جھلک آپ کی شاعری میں بھی ملتی ہے۔ مثلاً آپ ''سراپا رمز یعنی موجِ عشق'' میں ایک بولی کی شرح کرتے ہوئے اپنی ایک کافی میں کہتے ہیں

غلام جیلانی چُپ کر سایاں، ملیاں تیریاں دیس دہایاں
نہ کہنیاں تَیں آکھ سُنایاں، رہیں گُرتوں جاں نثار
جپ نام الٰہی یار، دُنیا دو تن دن یا چار (۱۴)

ترجمہ: غلام جیلانی خاموش رہو، تمہاری دھوم دور دور تک پھیل گئی ہے کیونکہ تم نہ کہنے والی بات بھی کہہ چکے ہو اپنے گرو یعنی مرشد کی راہ مت چھوڑنا اور اللہ کا نام جپتے رہنا اور اُسکی ہی تسبیح کرتے رہنا۔

اوپر بیان کئے گئے دونوں حوالوں میں زبان اور مذہب کی بنیاد پر سماجی تفریق کی بُو آتی ہے اور یہ وہ زمانہ تھا جب بیسویں صدی کے اوائل میں انگریز استعمار اپنے Divide & Rule کے نظریے پر شدت سے عمل پیرا تھا اور مذہبی و سماجی خلفشار میں شر انگیزی کے عناصر گہرے ہو رہے تھے۔ لیکن جیلانی صاحب اپنی دُور اندیشی اور عمیق فکری سے ان حالات و برطانوی حاکم کے مقاصد کو سمجھ رہے تھے کیونکہ صوفیاء حدود کے تو قائل ہوتے ہیں، قیوّد کے نہیں، جبکہ سامراج کے لئے ذہنی قیود و تنگ نظری کے فروغ کے بغیر اپنی نئی آبادی کو کنٹرول کرنا مشکل ہوتا ہے۔ سو وہ سماج کے مختلف طبقات میں اس کیلئے ذہنی آبیاری کرتے ہیں، بیانیے گھڑتے ہیں اور ایسی فضا قائم رکھتے ہیں جس میں ایک آزاد منش اپنی طبع و خیال کو اُس فریم میں نہ رکھ سکے جو وہ چاہتا ہے یا شعور و آگہی کی روشنی نہ پا سکے کیونکہ یہ سماجی فہم و فراست حاکمین کے اقتدار کے لئے خطرہ ہو سکتی ہے۔

مثال کے طور پر سید غلام جیلانی نے اپنی کتب ''سراپا رمز یعنی موج عشق'' اور ''پریم بانی'' میں جدید طرزِ اظہار اختیار کیا۔ گو اُن کی کتب پریم پیالہ، جوگ ساگر، پریم لہر اور پریم بانی برطانوی دور کے آخری دور میں لکھی گئیں اور ان میں درج بالا تمام مضامین بدرجہ اتم موجود ہیں لیکن ہم مضمون کی ضخامت کے پیش نظر یہاں صرف دو کتب (مذکورہ بالا) پر بحث

کریں گے۔ کیونکہ وہ خود کہتے تھے کہ ''کسی مصنف کو ملنا ہو تو اس کی تصنیفات سے اس کو ڈھونڈو اور آدمی کیلئے بعد ممات، باقیات الصالحات اس کی تصانیف ہی ہوتی ہیں جو اس کے نام کو ابد الآباد تک زندہ رکھتی ہیں۔'' (۱۵)

'سراپا رمز' یعنی موج عشق پنجابی کے لوک گیتوں کی نمائندہ شعری صنف 'بولی' میں لکھی گئی کتاب ہے۔ آپ کی یہ منفرد تخلیق سب سے پہلے ۱۹۳۲ء میں شائع ہوئی، ۱۹۳۳ء تک اس کے تین ایڈیشن (۱۶) جبکہ ۱۹۹۰ء تک ۲۰ ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔(۱۷) (اس کے بعد سے تاحال اس کا کوئی ایڈیشن سامنے نہیں آیا)۔ 'بولی' کو معنوی اعتبار سے مکمل، بھرپور اور پُر اثر صنف تصّور کیا جاتا ہے۔(۱۸) لیکن اس کتاب میں بولیوں کی شرح بھی کی گئی ہے جس میں سیّد غلام جیلانی فاضلی صاحب کا دیگر کلام مثلاً کافیاں، دوہڑے، غزلیں، بھجن اور شبد بھی شامل ہیں۔

سید امیر جیلانی ''انوارِ مُرشد'' کے صفحہ ۸۶-۸۷ پر ان بولیاں کو ''لچھی'' کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ کیونکہ ان بولیوں میں مخاطب 'لچھی' ہے، پنجابی میں 'لچھی' شوخ، چنچل، جواں سال لڑکی کو کہتے ہیں۔ جبکہ یہاں 'لچھی' سے مراد عام انسان ہے اور اسے ہی مخاطب کر کے ساری کتاب کا مضمون باندھا گیا ہے، عجب رموز و اسرار سے بھری کتاب ہے، تھوڑے الفاظ میں زیادہ معانی سمندر کو کوزے میں سمونے کے مترادف ہے۔ سرورق پر یہ شعر مرقوم ہے۔(۱۹)

کریں کلام اشارے رمزاں جے ہے کُجھ چترائی
محبوباں دے راز سوہاندے وچ کلام پرائی (۲۰)
(یہ شعر تیسرے ایڈیشن کے بعد کسی اور ایڈیشن پر اب درج نہیں ہے)

سید غلام جیلانی قادری فاضلی نے 'لچھی' کو مجازی انداز میں مخاطب کر کے اس کے ذریعے عشق حقیقی کے رموز ہندی، عربی، فارسی، پنجابی اور اردو کی آمیزش کے ساتھ ساتھ آیاتِ قرآنی، احادیث، مولانا رومی، سعدی، حافظ، کبیر، تُلسی داس، نانک، میراں بھیکھ چشتی و دیگر علماء کے اقوال کے ذریعے بیان کئے ہیں۔

دلچسپ یہ ہے کہ سید غلام جیلانی نے جب 'لچھی' سراپا رمز کی صورت لکھی تو انہیں شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا(۲۱) اس کے جواب میں اُن کے بیٹے سید انور جیلانی نے ایک طویل اور مدلل دیباچہ لکھا اور کہا ''کون سا مشہور مصنف ہے جس کی تصانیف کو لوگوں نے اُس کے زمانے میں بُرا نہ کہا ہو۔ مثال کے طور پر حضرت امام غزالیؒ کی ''احیاء العلوم'' کے حوالے سے کفر کے فتوے لگائے اور اُسے جلا دینے کے فتوے جاری کئے مگر آخر کار اُن کا لقب 'حجۃ الاسلام'' ہوا۔ اُن کی کتب کو تمام عالم نے تسلیم کیا، مولانا روم کی مثنوی کو بچوں کے دل بہلانے کی حکایات کہا گیا اور اس میں کوئی کام کی بات نہ ہونے کا طعنہ دیا گیا لیکن آج اُن کی مثنوی کو ''ہست قرآن در زبان پہلوی'' کہا جاتا ہے۔ سو قبلہ (سید غلام جیلانی) بھی چونکہ مشہور مصنف ہیں، عرصہ بائیس سال سے تصوف کی گرانقدر خدمات سرانجام دے رہے ہیں اور تصنیف رموزِ نہانی شرح ہیر غلام جیلانی سے اسقدر شہرت پا چکے ہیں کہ کئی دفعہ آپ کے نام خطوط پر صرف ''ضلع لائلپور مصنف رموز نہانی'' لکھا ہوتا۔ اسقدر مشہوری کی بنا پر لازمی تھا کہ لوگ ''لچھی'' پر اعتراض کرتے۔۔۔۔۔(۲۲) لیکن سوال یہ ہے کہ سید غلام جیلانی نے اس طرز پر تصوف کے رموز کیوں لکھے اس کے جواب میں سید انور جیلانی اپنے والد کی بصیرت بیان کرتے ہیں کہ گیت 'لچھی' کی مقبولیت اور زبان زدِ عام ہونے کے سبب ہر کس و ناکس کو اس گیت کا متوالا و شیدا پا کر پہلے تو قبلہ کو ناگوار گزرا مگر آخر مصداق آیتِ قرآنی ''اُدعُوا اِلیٰ سَبِیلِ رَبّکَ باالحکمۃِ االموعِظَۃِ الحَسنَۃِ''(۱۶:۱۲۵)

"Invite on the way of your Lord with wisdom and excellent admonition and discuss things with people in the best manner"

سُوجھی کہ لوگوں کو اُسی راہ سے جو انہیں پسند ہے۔ حق کی طرف بلائیں اور سمجھائیں کہ وہ ظاہری مطلب کی طرف نہ دوڑیں بلکہ اصلی رمز کو سمجھیں پس اب اگر 'لچھی' سراپا تالیف کرنے پر قبلہ کو بُرا بھلا کہیں تو اُنہیں ان کی کوئی پرواہ نہیں ہے کیونکہ حدیثِ قدسی ہے: اِنَّمَا الاَعمَالُ بالنِیات (اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔)

(Deeds are by intensions, but every man has what he intended)

یوں گیتوں کے آہنگ میں رچی اس کتاب میں "موسیقیت" اور "غنائیت" (جو اس میں بدرجہ اتم موجود ہے) کو فہم، ادراک اور سُوجھ کے بغیر اس کتاب کو سمجھا نہیں جاسکتا۔ اسلیئے انہوں نے خود اسکی شرح کر کے سماج کی سوچ کا دھارا بدلا۔ سید غلام جیلانی چونکہ ستار نواز بھی تھے، موسیقی سے بُہت رغبت رکھتے تھے اس لیے انہوں نے اس میں کافی اور بھیروی راگوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ ذیل میں اُن زبانوں، اصناف واشعار اور بزرگوں کے اقوال کثیر اللسانی، کثیر الصنفی، کثیر الثافتی حوالے بھی دیئے ہیں۔

"سراپا رمز یعنی موجِ عشق" کی ان بولیوں کے مضامین ذاتِ احد پر ایمان، کامل اُستاد یا مُرشد کی تلاش واہمیت، تجدید عہد (قرآن کی آیت اَلستُ بربکُم وقالُوبلٰی کی روشنی میں ذکرِ الٰہی، مراقبہ، کلمہ حق، وحدت الوجود، شرک نہ کرنے کی تلقین، وہم وتوہمات سے پرہیز، میانہ روی، مرتبہ انسان وفرشتوں کا انسان کو سجدہ، سخاوتِ الٰہی اور ایمان کی استقامت کے ساتھ مذہبی جھگڑوں سے دُور رہنے کی تلقین ہے۔ بظاہر دیکھیں تو یہ وہی موضوعات ہیں جو ہمیں پنجابی صوفیانہ شاعری میں بھی ملتے ہیں خاص طور پر سلسلہ چشتیہ اور سلسلہ قادریہ سے تعلق رکھنے والے صوفیاء کے ہاں، مگر ان میں ہر ایک کا بیانیہ اور اسلوب جداگانہ ہے، سوال یہ ہے کہ برطانوی عہد میں آنکھ کھولنے والے اس بزرگ صوفی شاعر نے عربی، فارسی کے معتبر حوالوں کے ساتھ ساتھ ہندی سنسکرت (مذہب ومتھاس) کے الفاظ وتراکیب اور لوک روایت کو استعارہ کیوں کیا؟

مثال کے طور پر لوک صنف بولی (نمبر ۱) میں کہتے ہیں:

اینویں عمر گوانا ہیں لچھیئے، یار رکھ کوئی ٹولھ کے

ہووووـــــــــــــ، نی یار رکھ کوئی ٹولھ کے

(اری اے چنچل لڑکی: یونہی اپنی عُمر نہ گنوائو، کوئی محبوب تلاش کرو)

اور بولی نمبر ۶ میں کہتے ہیں:

کیوں ٹولھدی پھریں وچ جنگلاں، گھر وچ یار لچھیئے

ہووووـــــــــــــ، نی گھر وچ یار لچھیئے

(اری اے چنچل، اُسے جنگلوں میں کیا ڈھونڈتی ہو، وہ تو تمہارے اپنے اندر ہے۔)

سیّد غلام جیلانی نے بولیوں میں 'متکلم' اور 'مخاطب' کیلئے 'یار' اور 'لچھی' کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے، پنجابی زبان میں یہ دونوں لفظ بے باک اور بے تکلف محبت کا بیانیہ مانا جاتا ہے۔ 'لچھی' بظاہر ایک نخریلی، چنچل اور بے پرواہ لڑکی ہے۔ جسے سید غلام جیلانی قادری فاضلی مخاطب کر کے محبت کرنے کی ترغیب اور طریقہ بتا رہے ہیں مبلغانہ انداز میں، مخاطب 'لچھی' رمز ہے یہاں وہ صرف چنچل وبے باک عورت نہیں، ایک انسان ہے۔ بالکل اسی طرح 'یار' معنی خیز ہے۔ جبکہ پہلی

بولی میں مرضی اور اختیار بھی ہے، جو نو آبادیاتی عہد کی اُس جبری فضا کی طرف اشارت ہے جہاں شخصی آزادی مقیّد ہونے لگی تھی۔ یار کا بے تکلفانہ صیغہ آزادی اور اختیار پر دلالت کرتا ہے جس میں مرضی اور منشا ہے جس کو ڈھونڈنے اور پانے کی سکت اور شکتی اُسے خود کو مضبوط اور پختہ کر کے ہی مل سکتی تھی ایک دوسرے رُخ سے دیکھیں تو یہ مجاز کے رنگ میں حقیقتِ الٰہیہ کی طرف راغب کرنے کی سعی بھی ہے کہ عشق الٰہی کو سمجھنے اور سمجھانے کیلئے مجازی روپ سے بہتر کیا مثال ہو سکتی ہے۔ پرشوتم اگروال "اکھ کہانی پریم کی" میں کہتے ہیں "بناں روپا سکت کے کوئی کوی (شاعر) نہیں ہوتا۔ نیز گُن نِراکار سادھنا، اُپاسنا کا وِشے ہو سکتا ہے، لیکن پریم تو کسی صورت رُوپ سے ہی کیا جا سکتا ہے۔ 'بُت پرستی' کو کفر اور 'بُت شکنی' کو ثواب بتانے والے اسلام کے سانسکرت پریویش میں کوئی گن رُوپا سکت، بُت پرستی کے ذریعے بھاونیش (پُر اثر، پُر معنی) کرنے کیلئے ساتھ ساتھ دھرم شاستر یہ پرم پرا اور سوچ سے جرح بھی کرتے رہے ہیں۔

"کعبے کے اُن بتوں کو بھی نسبت ہے دُور کی
گو واں کے نہیں ہیں، واں کے نکلے ہوئے تو ہیں" (۲۳)

سو دُنیا اگر تمثال خانہ ہے یا افلاطون کے لفظوں میں اصل کی نقل ہے، تو نقل کو نقل کے ذریعے ہی اصل کی بات سمجھائی جا سکتی ہے۔

سید غلام جیلانی فاضلی نے 'بولی' میں تو مکمل مجازی روپ اختیار کیا، تاہم اُس کی شرح میں 'حقیقی' مفہوم اُجاگر کرتے ہوئے آیات، احادیث اور کبیر، تُلسی، حافظ اور رومی کے اشعار و اقوال کا سہارا لیا۔ پھر اپنا ایک 'بھجن' یادِ الٰہی اور خدا کی بندگی کو ارفع عمل قرار دیتے ہوئے اس میں شامل کیا ہے نیز اس کی دلیل میں پہلے قرآن کریم کی یہ آیت لکھی :

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ-

and I did not create the jinn and mankind except to worship me. (51:56)

پھر اس آیت کے بعد کبیر کے اِس دوہڑے کو درج کرتے ہیں جس میں انسان کے دُنیا میں محدود اور متعین وقت کی طرف دھیان کراتے ہوئے اپنے مدعے اور معنی کو تقویت دیتے ہیں:

چھن چھن بیتا جات ہے، ہَر سے کر لے ہیت
پھر پچھتاوے کیا کرے، جب چڑیاں چُگ گئیں کھیت

اس کے بعد حافظ کا عربی و فارسی شعر لکھ کر اس کا منظوم پنجابی ترجمہ کرتے ہیں۔

حضوری گر ہمی خواہی از او غائب مشو حافظ
مَتی مَا تلقَ من تھوی دع الدنیا و اھلھا

غلام جیلانی کا پنجابی میں منظوم ترجمہ:

حافظ کریں نہ غفلت ہر گز ہووے تدوں حضوری
دُنیا دے جھمیلیاں کولوں دُوری دُوری دُوری

بعد ازاں اسکو مزید مدلل کرنے کیلئے اپنا ایک 'ہندی بھجن' 'کبت' ☆ کی طرز پر لکھا ہوا پیش کرتے ہیں۔ اُس کے کچھ بول دیکھیے:

جنم اکارتھ ناکھو پیارے، جپ لے ہری ہری، جان میری جپ لے ہری ہری

دھن دولت کے لوبھ میں پھاتھا، دھرم کی بلٹی لی نہیں ساتھا، ساتھ چھوڑ دیں رشتہ ناتا
عجب بپت پڑی جاں میری عجب بپت پڑی
سوانس سوانس پر جپ لے ہر کو، جان غنیمت گھڑی گھڑی کو، سنگ ساتھ نہیں بپت پڑی
باہجھوں ذات ہری جان میری باہجھوں ذات ہری
چھن چھن کر لے ہری کا جاپا، کھودے سنتا اپنا آپا، پریم کی دھوئیں کا کرتا پا
سُن لے بات کھری جان میری سُن لے بات کھری
ہو بلہار غلام جیلانی، ست گرو تیرے مہاں گیانی، ہری بھجن میں عُمر وہانی
بولو ست گُر جان میری بولو جے ست گُر کی

اس 'کبت' میں 'جاپ' اور 'ہری' کے لفظوں کے ذریعے ذکرِ الٰہی کی تلقین کے ساتھ شعری فنکاری بھی قابلِ ذکر ہے۔ سوانس سوانس (سانس سانس) گھڑی گھڑی، ہری ہری کی صنعتِ تکرار کے ساتھ ایک ہی مصرعے میں ہری لفظ کو دو معنوں میں استعمال کر کے صنعتِ تجنیس کا بھی بہترین نمونہ بنیا گیا ہے۔

ایک 'ہری' ذاتِ الٰہی کے معنوں میں جبکہ دوسرا 'ہری' ہارنے کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ اسطرح کی دیگر کئی مثالیں سید غلام جیلانی فاضلی کی شاعری کا حُسن ہیں۔ بولی نمبر ۳ 'کیتے قول پورے کر لیھئیے سُخن زباناں دے" میں بھی ذکرِ الٰہی و عشق الٰہی کے بیان میں قرآنی آیت اور گرونانک کے بولوں کے بعد 'گیت' کے آہنگ میں 'کافی' پیش کرتے ہیں جس میں صنعتِ تجنیس و تکرار کے ساتھ قافیہ پیمائی بھی کمال کی ہے۔

سب مطلب اُس پائے سادھو، جس اللہ، جپا جپا
جس نے اللہ سے ہت کینا، روشن ہو یا اُس کا سینہ، صاف ہو یا دل کا آئینہ
پریم رسا اس چکھا چکھا
جس نے اُس کو گھٹ میں پایا، اللہ اللہ شغل رچایا، مکتی ہوئی اور سورگ سدھایا
سُب دُکھ اس کا گھٹا گھٹا

اس کافی میں جپا جپا، چکھا چکھا اور گھٹا گھٹا جن میں بالترتیب ذکر الٰہی اور اس کے ثمرات کے بدولت دکھوں کا خاتمہ ہے۔ روح کی راحت ہے، دل کی تسکین ہے جسے انگریزی میں Reciting ، Tasting اور Finishing/completing کہتے ہیں۔ کہیں اس کے ساتھ ہی، جس نے اُس کو گھٹ میں پایا" میں گھٹ 'مشکل وقت' اور 'گھٹا گھٹا' کم کم ہونا اور دھواں دھواں اور گھٹا گھٹا (پنجابی میں) خاک ہونا کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ وکٹوریا فرامکن، رابرٹ روڈمن اور نینا ہائمز نے- "the meaning of langauge" میں اس کو "words combine syntactically" کہا ہے۔ ۲۴ دراصل شاعر لفظوں کے استعمال کی ترتیب اور ترکیب سے اُس کے ظاہری حسن اور علم معانی سے اُس کے باطنی حسن کو نکھارتا ہے۔ اس امیجری کے ذریعے شاعر قاری کے ذہن پر کیسے تاثر پیدا کرتا ہے اور لفظ و خیال کے یہ ڈھانچے آپس میں کیسے مرتب ہوتے ہیں۔ کارل گینٹی نے اس بارے میں "How Language work: An introduction of langauge and Linguistics" میں بہت مفصل لکھا ہے۔ ۲۵

اس سے آگے دیکھیں تو بولی نمبر ۶ کی شرح باقیوں کی نسبت طویل ہے اور اس میں لسانی، مذہبی و مقامی حوالے بھی زیادہ تعداد میں ہیں۔ مثلاً 'بولی' میں ذات حق کے ذات انسان میں ہونے کی دلیل وَفِی اَنفُسِکُم اَفَلَا تُبصِرُونَ (۵۱:۲۱ vs) "وہ تمارے درمیان (بیچ) ہے تو تم کیوں نہیں دیکھتے" دیتے ہوئے کہا 'کیوں ٹولھ دی پھریں وچ جنگلاں، نی گھر وچ یار لیھئیے' پھر اس کی دلیل میں کبیر کا بچن لکھتے ہیں:

جیوں نینوں میں پو تلی (پُتلی) خالق گھٹ کے مانہہ
مور کھ لوگ نہ جان دے باہر ڈھونڈھن جانہہ

(جیسے آنکھوں میں پُتلی ہوتی ہے، ایسے ہی تخلیق کُل کا خالق ہمارے اندر ہے، بے عقل لوگ یہ نہیں جانتے اور اُسے باہر ڈھونڈنے جاتے ہیں، یا باہر ڈھونڈتے پھرتے ہیں)

پھر تُلسی داس کے بول مزید تاکید میں لے آئے جو کبیر کے مقابلے میں زیادہ تیز دھار اور جھنجھوڑنے والے ہیں۔

ہے نیڑے سُوجت ناہیں لعنت ایسی زند
تُلسی اِس سنسار کو بھیا موتیا بند

(وہ بہت قریب ہے لیکن جسے یہ سمجھ نہیں اُس پر لعنت ہو، تُلسی اس سنسار کی آنکھوں میں شاید موتیا اُتر آیا ہے کہ ان کی من کو دیکھنے والی آنکھ ہی بند ہے)

میراں بھیکھ چشتی انسان کے من کو موتی کہتے ہوئے اُس کی طرف دھیان کچھ یوں مبذول کراتے ہیں:

بھیکھا بھوکا کوئی نہیں ہر کی گٹھڑی لعل
گِرہ کھول نہ جان دے اِس بِدھ بھئے کنگال

(بھیکھا! اس جہان میں ایسا کوئی نہیں جس کے من میں یہ موتی نہ ہو، صرف وہ اپنے من کی گٹھڑی کی گِرہ نہیں کھول پاتے اس لیئے خالی رہتے ہیں)

"قول مصنف (Poets Saying)" پنجابی کے داستانوی ادب کا ایک ایسا حِصّہ ہوتا ہے جس کے ذریعے شاعر اپنی فکر و دانش ورائے 'اُس موضوع کے اعتبار سے، جس کے بارے میں بات چل رہی ہو) کو بیان کرتے ہیں، صوفی داستانوی ادب میں اس کی بیشتر مثالیں موجود ہیں۔ سید غلام جیلانی قادری فاضلی نے بولیوں کی اس لڑی میں جس کا موضوع "تلاش سے وصال تک" کے روحانی و باطنی سفر کو، اپنے اسلاف کے بیانیے اور اپنے تجربے کی بنیاد پر بیان کرنا ہے۔ تو اسی انداز کو اپناتے ہوئے کہتے ہیں:

جنگل میں پھر پھرا کے حیران رہ گیا
لائق تھا دید دل کا بیابان رہ گیا

تسبیح مالا چھوڑ دو، چھوڑ دو حساب کو
رات دن پڑھ لو میاں دل کی کتاب کو
ہے کہاں متلاشی تو وہم و حجاب میں
اس کو پائے گا میاں دل کی کتاب میں

(جو تسبیح اور مالا پر گن گن کر عبادت کرتے ہو اسے چھوڑ کر دل کی کتاب کے اسباق کو ازبر کر لو۔ وہم اور حجاب (پردے) و توہمات میں کہاں سرگرداں ہو، وہ تو تمہارے دل کی کتاب میں موجود ہے، اُسے وہاں دیکھو۔)

یوں انتہائی سہل و مبلغانہ انداز سے انہوں نے اپنا پیغام دیا اور "لچھی" کے وقتی تلذز کی طرف مائل لوگوں کو من کی پہنائیوں میں موجود دائمی سرور کی نوید دی کہ ہوش مندی میں دائمی سرور و نشاط اپنے من کی کتاب میں سے ہی مِلتا ہے پھر اُس کی دلیل میں حدیثِ نبوی بیان کی: قُلُوبُ المومِنین عرش اللہ تعالیٰ (مومنوں کا دل اللہ تعالیٰ کا عرش ہے)

یوں وہ مومنوں کے دل کو عرشِ ربّ اور انسان کی اوقاتِ خاکی و مراتبِ خالق کا تصور حدیث کے ذریعے پیش کر کے اصل بات تک پہنچنے کی ترغیب کچھ یوں دیتے ہیں کہ ایک دفعہ تو اس تصور کے آتے ہی انسان کا دلِ عاجز اور جاں بُریدہ ہو جاتی ہے، اور اگلے ہی لمحے اپنی قدر و اہمیت پر نازاں ہونے لگتا ہے۔ سید غلام جیلانی قادری فاضلی اس احساس میں بندے کو مولانا رومی کے اس قول کے ذریعے ڈھارس بندھاتے ہیں:

گر نبودے ذاتِ حق اندر وجود
آب و خاک را کہ کند ملکاں سجود

(اگر نہ ہوتی خدا کی ذات انسان کے وجود میں، پانی اور مٹی کو سجدہ پھر کون کرتا۔)

اس دلیل کے بعد وہ سالک (راہِ عشق کا مسافر) کو پہلے والی کیفیت میں لے جاتے ہوئے اُسے غور و فکر کرنے کے مزید اشارے دیتے ہیں۔

ہم اور وہ دونوں ایک ہی بستی میں بستے ہیں
تعجب پر تعجب ہے کہ ملنے کو ترستے ہیں

پھر قرآن کی دو آیات کو یکجا کر کے دلیل میں لاتے ہیں:

i۔ نَحنُ اَقرب اِلیہ مِن جبل الورید ii۔ اَفَلَا تُبصِرُون

i۔ ہم قریب ہیں، تمہاری شہ رگ کے ii۔ پس تم نہیں دیکھتے

یوں وہ خود آگہی کے رازِ حق کا گُر سمجھاتے ہیں کہ:

نہ مسجد میں نہ مندر میں
وہ رہتا سب کے اندر میں

(وہ مسجد اور مندر میں نہیں، سب کے اندر بستا ہے)

جیکر ربّ مکّے وچ رہندا
نحن اَقرب کیوں اوہ کہندا

(اگر ربّ مکے میں رہتا تو قرآن میں نحن اقرب وہ کیوں کہتا)

اس 'ایک' کے مضمون کو بیان کرنے کیلئے انہوں نے مختلف النوع زبانوں کا ہی سہارا نہیں لیا، اصنافِ ادب میں بھی ہر طرح سے خامہ فرسائی کرتے ہیں، اردو 'رباعی' دیکھئے:

یہاں بیت الحرم خالی، وہاں بیت الصنم خالی
پتہ لگتا نہیں اس کا، رب خالی عجم خالی
وہی ایک نورِ مطلق ہے اُسی کے سارے جلوے ہیں
نہ یہ خالی، نہ وہ خالی، نہ تم خالی نہ ہم خالی

یہاں اللہ کا گھر اور وہاں صنم (بُت کدہ) گھر خالی ہے، وہ نہیں ملتا عرب و عجم میں کہ وہ تو نورِ مطلق ہے جس کے ہر طرف جلوے ہیں اور ہر ہر میں ہیں۔ رباعی کے بعد غزل بھی اسی دلیل میں لائے، یہ وہ اشعار ہیں جو قوال اکثر اپنی قوالیوں میں آج بھی گاتے ہیں۔

گر خدا کعبے میں رہتا ہے تو بُت خانے میں کون
ہر ہے گنگا جل میں تو زمزم کے پیمانے میں کون

کس سے باتیں کر رہا ہے مجھ کو بھی زاہد دِکھا
چُھپ کے بیٹھا ہے تیری تسبیح کے دانے میں کون

کعبے، بُت خانے، گنگا جل و زمزم، تسبیح و زاہد کے ان متضادات و مترافات میں زور 'کون' پر ہے۔ ''کون'' وہ اکائی یا وحدت ہے جسے چشتیہ و قادریہ سلسلے کے صوفی شعراء کے ہاں مختلف اسالیب میں بیان کیا گیا ہے اور یہ ایک مقبول بیانیہ ہے۔ بُلھے شاہ کی کافی ''کیہ جاناں میں کون'' اس کی ایک مثال ہے۔ علی عباس جلالپوری پنجابی صوفی شاعری کو تین ریتوں کا سنگ میل کہا ہے۔ وہ تین ریتیں یہ ہیں:

i۔ یونانی سرِیت اور اشراق
ii۔ ہندی، ویدانت اور بھگتی لہر
iii۔ مسلمانوں کا تصوف و عرفان (۲۶)

ان کا کہنا ہے کہ بعض لوگوں نے اس ایک وجود کو ایک باشعور ہستی تسلیم کرتے ہوئے خدا کہہ کر مذہب کی بنیاد ڈال دی یوں خدا کی ذات کے دو پہلو سامنے آئے۔

i۔ خدا کائنات سے الگ ہے
ii۔ خدا کائنات میں سمایا ہوا ہے۔ اس لئے کائنات اور خدا ایک ہی ہیں۔

یہودیت، عیسائیت اور اسلام کا خدا کائنات سے الگ ہے، وہ ایک ہستی ہے جس نے کائنات کو اپنی قدرت سے عدم میں پیدا کیا، جبکہ تاؤمت، ویدانت اور سرِیت کا خدا کائنات سے الگ نہیں، کائنات اُس میں سے ایسے نکلی جیسے سُورج میں سے کرنیں، مکڑی میں سے جالا۔

پنجابی صوفیانہ شاعری پر ویدانتی رنگ بُہت گہرا اور نمایاں ہے خاص طور پر ان دو سلاسل پر جن کا ذکر ہم اُوپر کر آئے ہیں۔ ویدانتا کی اس ''ہر میں وہ'' ''تُم میں وہ'' ''مُجھ میں وہ'' اور کائنات کی تمام تر رعنائیوں کا جلوہ من میں ہو کے اشارے برصغیر کی اوّلین کتب 'اُپنشدوں میں ملتے ہیں۔ جس کے اثرات پنجابی صوفیانہ شاعری پر ہمیں نہایت نمایاں نظر آتے ہیں:

"Their absolute unity in the awe - inspiring conception of Brahman ; their burning uplifting faith in the soul of man which is one with the soul of the universe; their tolerance of the Vedas, but their spiritual and therefore symbolical interpretation of external ritual, thus showing the true path of spiritual upliftment to all men in times to come; their seeds of great psychological and philosophical ideas; the vast harmonies that sing through their words; their spiritual wisdom that can satisfy different in their search for light; their simple images which we find again in Saints and poets of other ages and thus confirm to us the unity of all spiritual vision and life; the splendor of their romantic imagination that makes their creators of beauty of all times, and which shows us how to make our life a work of beauty; are all like trumpets sounding the glory of light and love, over the darkness of the doubts and death, proclaiming the victory of life." (27)

یہاں سوال یہ اُٹھتا ہے کہ ''سراپا رمز'' کے کثر اللسان و کثیر الانواع بیانیئے کے بعد صرف ہندی و پنجابی (جس میں ہندی الفاظ و تراکیب کی تعداد زیادہ ہے) میں ہی شعر کہنے کو کیوں ترجیح دی؟ اُن کا مفکرانہ اور مفسرانہ انداز جس میں آیات و احادیث اور فارسی کے معتبر حوالے ہوتے تھے، یکایک عوامی اور سہل کیوں ہوتے گئے، موہن سنگھ دیوانہ A History of Punjabi Literature (1936ء) میں مجموعی طور پر پنجابی ادب میں آنے والی جبری تبدیلیوں (برطانوی راج میں) کی نشاندہی کی ہے۔ (جن میں انگریز کی آمد سے آنے والی کاغذ کی صنعت و اشاعت، نجی تعلیمی نظام، سماجی، سیاسی شعور، تحاریک اور سب سے بڑھ کر قومی، مذہبی شعور کی پہچان تھی۔

عبداللہ یوسف علی "A Cultural History of India during British Period" میں جیمز فاربس کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"دو اسقدر مختلف مذہبی اصولوں کو ماننے والوں میں اتنی رواداری کی مثال یہاں کے سوا اور کہیں ملنا بُہت مشکل ہے۔" (۲۸)

نو آبادیاتی برصغیر میں ہندو و مسلمان سیاسی بے اختیاری اور الگ مذہبی و ثقافتی شناخت کے جدید بیانیے کے باعث عدم استحکام کا شکار ہو گئے تھے، صدیوں پر محیط ماضی رجعت و نفرت کا استعارہ بن گیا تھا۔

"When British came to place a framework of interpretation over India's past, they divided it into Hindu, Muslim and British Periods. When from 1871 they began decennial senses of their Indian Empire, they tabulated its people under religious headings" (29)

ماقبل نو آبادیات برصغیر میں افراد کی شناخت 'سماجی' تھی، مذہبی نہیں، گو ہندوؤں اور مسلمانوں میں ایک مغائرت بھی موجود تھی، جسکی نشاندہی البیرونی (۹۷۳-۱۰۴۹ء) نے زبان، مذہب و معاشرت تین حوالوں سے کی ہے۔(۳۰) جسے ختم تو نہیں مگر کم کرنے کے لئے حاکمین کوشش کرتے رہے ہیں۔ مثال کے طور پر مسلمان فاتحین نے جب آبادکاری کی تو انہوں نے بھی مذہب کو بنیادی اصول کا درجہ دیا لیکن مسلمانوں اور انگریزوں (مشنریوں) دونوں کی غایت بے شک تبلیغ تھی مگر نتائج مختلف رہے۔

برصغیر کے سماجی ڈھانچے کے عروج و زوال بارے جمال ملک نے اپنی کتاب Cultural Encounter, Reciprocities and Muslim Responses کے عنوان سے صفحہ ۲۴۱ سے ۳۳۷ تک چیدہ چیدہ پہلوؤں کو اُجاگر کرتے ہوئے برطانوی نو آبادی کو Cultural Hybridisation کہا ہے جو بات ڈاکٹر ناصر عباس نیئر مذہبی شناخت کے حوالے سے کرتے ہیں،(۳۱) جمال ملک اسے مفاد اور ضرورت قرار دیتے ہیں ۳۲ جس سے ایک بات تو عیاں ہو جاتی ہے کہ حاکم کوئی بھی ہو، علیحدگی پسند ہوتے ہیں۔ 'فرق کا فلسفہ' اُن کے اقتدار کیلئے سود مند ٹھہرتا ہے اسلیئے وہ جداگانہ شناخت (مذہب، نسل، عقیدہ، ثقافت کسی بھی طرز سے) کی پالیسی سے مرعوب ہوتا ہے جبکہ ایک طبقہ ایسا ہے جو برصغیر کی تاریخ میں ہمیشہ سے اشتراکیت اور مخلوط شناخت کا پرچارک رہا ہے، وہ مذہبی اور ثقافتی فرق کو قدرت کی کثیر النوع تخلیقات سے جوڑتے ہوئے محبت پروتا ہے۔ سید غلام جیلانی فاضلی کا تعلق بھی اسی قبیل سے تھا۔

1933 میں 'پریم بانی' اور دیگر کتب (پریم پیالہ، جوگ ساگر، پریم لہر) لکھنے کا مطلب بڑھتے ہوئے مذہبی فرق کو مٹانا تھا جو سماج میں روز افزوں نفرت کے بیج بو رہا تھا اور جس کے اثرات ہمیں ۱۹۴۷ء میں قتلام کی صورت میں نظر آئے جس میں لاکھوں لوگ لقمہ اجل بنے۔

سید غلام جیلانی قادری فاضلی کلچر اور زبان کے نفسیاتی و روحانی عناصر کی پختگی اور پکڑ کو سمجھتے تھے اس لیئے انہوں نے کلچر اور زبان کے امتزاج سے مذہب کی "اصل" کی طرف توجہ دلائی، اس 'اصل' کی تثلیث بندہ، کائنات اور خُدا ہے اور مرکز "انسانیت" اور "بندگی" ہے۔ انسان کا انسان سے تعلق، انسان کا خالق سے تعلق، جو تمام مذاہب کی فکر کا بھی بنیادی عنصر ہے۔ اس تعلق کو انہوں نے علمی و ادبی زبانوں کے فنکارانہ استعمال کے ذریعے پُر اثر اور دلچسپ بنایا، ہم آواز الفاظ، تراکیب، تشبیہات، صنائع لفظی و معنوی غرض سبھی ادبی جواہر یکجا کر دیئے۔ اُن کی "سراپا رمز" کی نسبت "پریم بانی" میں یہ عناصر زیادہ غالب ہیں۔ مثلاً انہوں نے اوم، ہری، جاپ، سنسار، لوک پرلوک، آتم تت، آتم سروپ، کرم، دھرم و دیگر کئی ایسے الفاظ و مرکبات و تراکیب استعمال کیں جو اُن کے "محبت پیار اور رواداری پر مبنی بیانیے کو تقویت دے سکتی تھیں یوں انہوں نے اپنے اسلاف کے افکار کی آبیاری کی جو 'بھگتی' کے روپ میں سانجھ اور مِلاپ کا آئینہ ہے۔ جسے ڈاکٹر

ناصر عباس نیئر حاشیائی طبقے (یعنی مقامی زبانوں کے ادب اور نچلے طبقے کیلئے ایک معجزاتی عمل قرار دیتے ہیں ۳۳؎ اور نیتی ایم۔ سدارگنی اس کو برہمنیت کی رعونت کیلئے ایک بڑی چوٹ قرار دیتے ہیں ۳۴؎۔ بالکل اسی تتبع میں مابعد بھگتی کے پیروکار صوفیاء نے عام لوگوں کی یا مقامی زبان و مقامی روزمرہ محاورے میں آفاقی پیغام دیا جس کی بنیاد جیلانی نے اللہ کی محبت یا الوہی محبت کے تصور پر رکھی تھی۔

ا: اوم ہری اوم داجاپ جپے وچ لوک پر لوک اُپکار ہوئے
اٹھدے بیٹھدے جاگدے سون لگے رات دن ایہو پر چار ہوئے
رہ کے وچ سنسار دن کٹ لے، ایہہ ہیت نہ نال سنسار ہوئے
کنول پھل جیویں جل وچ رہندا، تیرا انال سنسار پیار ہوئے

یوں ہم دیکھتے ہیں کہ سید غلام جیلانی قادری نے سماج میں مذہب کے نام پر سیاسی عزائم کی تکمیل کیلئے ایک مخصوص طبقے کے پھیلائے گئے فکری جمود میں اپنے آفاقی بیانیے کے ذریعے ہلچل پیدا کر دی اور برطانوی استعماریت اور اُن کے لواحقین کی طرف سے پھیلائے گئے ڈر اور خوف کی فضا میں ''پریم'' کے نغمے بکھیر دیئے، وہی نغمے جو اُن کے روزمرہ کا معمول تھے گویا ایک نئے پیرائے میں سید غلام جیلانی فاضلی نے مقامی زبانوں کو ورنیکلر زبانیں کہنے والوں کو ان زبانوں کی امیر تاد کھائی اور کلونیل ایجنڈے پر تفریق کرنے والوں کو آئینہ بھی دکھایا:

ر: رہ گیا وشیاں دے وچ وڑ کے، ہتھوں پلیوں سب گنوالیا
دنے طوطیاں رات چگا دڑاں نے، تیرے باغ دے پھلاں نوں کھالیا
بچے کھیت سچیت جو رہے راکھے، دے دے ہو کرے باغ نوں بچالیا
غلام جیلانی شاہ گئے آنند ایتھوں، جنہاں گھاٹ پریم دے نہالیا

سید غلام جیلانی فاضلی چونکہ کثیر اللسان تھے اسلیئے عربی، فارسی، اردو، ہندی، سنسکرت اور پنجابی پر ہی عبور نہ تھا، ان سبھی زبانوں کے ادبِ عالیہ سے بھی رغبت رکھتے تھے اسلیئے انہوں نے اپنے قاری کو ان سبھی زبانوں و ادبیات اور موسیقی جو ان کی ساتویں زبان تھی، کے ذریعے اپنے افکار سے روشناس کرایا۔

اصنافِ ادب جن کی ہئیت، ''تاریخ، جغرافیہ، سیاست، ثقافت و سماجی نفسیات کی غماز ہوتی ہے، کو نہایت فنکاری سے اپنی فکر کی توجیہ میں پیش کیا، بلکہ اس کے ذریعے برصغیر کی کثیر رنگی و امیر تا کو مزید گہرا اور مالدار کیا۔

سید غلام جیلانی فاضلی نے اس کثیر الجہتی شناخت کے ذریعے خود آگہی و خود شناسی سکھائی، ہندومت کی طبقاتی درجہ بندی، جس سے سماج شدید استحصال کا شکار تھا، کے مقابل اسلام کے مساواتی فلسفے اور بھگتی کی 'صلح کُل' کو پیش کیا۔ اور صوفی اسلاف کی پیروی میں 'نعرہ خیر' یعنی 'سب کا بھلا سب کی خیر' اور ''ہر ہر ہری' ہر ہر میں وہ، پھر جھگڑا کیسا ہو، لگایا اور صوفی واد کے مصداق چلے، سمے اور سماج کی نبض کو جان کر اُنہوں نے عوامی شعور بیدار کیا۔ رِیت، مقامیت اور ثقافت سے جُڑے رہے اور حرف الفاظ و محاورہ میں ہی اُسے نہیں اپنایا بلکہ ''اصنافِ ادب'' میں 'مقامیت ہی کے ذریعے جدت پیدا کی، مثلاً 'سی حرفی میں بھجن' یا گیت میں روحانیت جنہیں انہوں نے شبد، بھجن، دوہڑوں، کبت، بیت نیز غزل، رباعی اور کافی میں لکھا۔ منظوم تراجم بھی کئے اور یوں 'مقامیت' کو اپنا فخر سمجھا، جو عوام میں خود اعتمادی کے عناصر کو جنم دیتی ہے۔ ریت و مقامیت کے امتزاج سے 'فکرِی وحدت' کو فروغ دیا۔ جسے پرشوتم اگروال ''دیشج' قرار دیتے ہیں۔ یوں مجموعی طور پر سید غلام جیلانی فاضلی کی 'سراپا رمز یعنی موجِ عشق و پریم بانی' میں جو نکات ہمارے سامنے آئے وہ کچھ یوں ہیں:

1۔ خالق کُل کی 'اکائی' تسلیم کرتے ہوئے تمام مذاہب کی نسبت 'ایک' سے جوڑنا اور مخلوق کو تخلیق کائنات کے اِسی پس منظر میں سمجھنے کی تعلیم و ترغیب دینا۔

2۔ طاقتور و مقتدر سیاسی و مذہبی طبقات سے براہِ راست ٹکراؤ اور بگاڑ و انتشار کی بجائے حکمت و دانش سے معاملات کو سمجھنا اور سمیٹنا۔

3۔ سماجی نفسیات کو جانتے ہوئے مقامی محاورے و الفاظ و ادب عالیہ کے امتزاج سے فکری شعور بڑھانا: جس میں ثقافتی استعاروں کا رس اُنہیں ہمیشہ پُر اثر بناتا ہے (اسی لئے اُن کی کتب کے درجنوں ایڈیشن آج تک شائع ہو چکے ہیں) لیکن ان کتب میں کثرتِ اشاعت سے متن، اِملا اور حوالوں کے اعتبار سے جن تدوین نو کی بھی اشد ضرورت ہے

4۔ پیغام حق و صلح کل کو سہل و عوامی ڈھنگ سے سمجھانا، کیونکہ منبر و مسجد و مندر میں مذہبی تعلیمات کی زبان و بیاں کی پیچیدگیوں میں ایسا الجھاؤ ہوتا ہے کہ مخصوص افکار مخصوص الفاظ کے پردوں میں مہمیز ہوتے، جبکہ سید غلام جیلانی قادری فاضلی نے عوامی ذہنی استطاعت و شعور کے مطابق بات سمجھائی جس میں عوام اور ذہین و باشعور دونوں طرح کے اذہان کیلئے ایسا بنانیہ موجود ہے جس میں پیار و آفاقیت ہے۔ انکی ''پریم بانی'' کی ابتدا میں درج ہے

پریم بنا کُجھ نہیں، پریم بنا نہیں گیان
پریم بھگتی بن سادھو، سب کُچھ تھوتھا جان
(پریم بے بغیر نہ دنیا ہے نہ علم اے اے انسان پریم کی بھگتی کے بناں سب کُچھ خالی ہے)
یہی انتہا ہے۔

☆☆☆☆☆

حوالے

۱۔ انٹرویو۔ سید غلام دستگیر جیلانی (کمالیہ) پڑپوتے سید غلام جیلانی فاضلی، ۱۴ جولائی ۲۰۱۷

۲۔ آپ نے علم موسیقی کی تعلیم اُستاد رحمت علی خان سے حاصل کی، خاص طور پر ستار بجانا اُن سے سیکھا۔ آپ نے یہ مشغلہ عمر کے آخری حصے تک جاری رکھا (انٹرویو۔ جناب مدثر صاحب، مرید سید انور جیلانی ساکن پیر محل۔ ۱۵ جولائی ۲۰۱۷ء

۳۔ رموز نہانی شرح ہیر سید غلام جیلانی، (لاہور: ملک چنن دین اینڈ سنز، ۱۹۱۸ء) ۲۹

☆ یہ بات نہایت دلچسپ ہے کہ لفظ 'کوٹ' دراوڑی تہذیب سے مشتق ہے اور دراوڑوں کے قلعے اور کوٹ ہوا کرتے تھے۔ سنسکرت میں 'کوٹ' کو 'پور' کہتے ہیں۔ جہاں سے وہ حملہ آوروں کا مقابلہ کیا کرتے تھے۔ پنجاب و سندھ میں بے شمار علاقے کوٹ و پور دونوں اسی نسبت سے ہیں۔ رگ وید میں اِندر دیوتا کو بھی 'پُور اندر' کہا گیا جس کا مطلب ہے تباہ و برباد کرنے والا۔ (علی عباس جلالپوری۔ وحدت الوجود تے پنجابی شاعری (لاہور: پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، ۱۹۹۳ء)

۴۔ انٹرویو سید غلام دستگیر جیلانی۔ ۱۴ جولائی ۲۰۱۷

۵۔ انٹرویو سید غلام دستگیر جیلانی۔ ۱۴ جولائی ۲۰۱۷

☆۔ آپ کے نام کی نسبت سے خاندان فاضلیہ مشہور ہے جو آج بھی بٹالہ اور لاہور میں آباد ہے۔ لاہور میں فیروز پور روڈ پر فاضلیہ کالونی اسی خاندان کی ملکیت ہے۔

۶۔ انٹرویو سید غلام دستگیر جیلانی۔ ۱۴ جولائی ۲۰۱۷

۷۔ امیر جیلانی۔ انور مرشد (بہاولپور: گردیزی پرنٹنگ پریس، ۱۹۶۷ء) ۶۱

۸۔ امیر جیلانی۔ انور مرشد۔ ۸۷

۹۔ امیر جیلانی۔ انور مرشد۔ ۸۹

۱۰۔ این حنیف۔ بائیو گرافیکل انسائیکلوپیڈیا آف صوفیز آف ساؤتھ ایشیاء(نئی دہلی: سروپ اینڈ سنز،۲۰۰۰) ۱۷۸

☆ این حنیف نے دیگر محققین کی طرح مذکورہ انسائیکلوپیڈیا میں غلام جیلانی رو،ہنگی و غلام جیلانی قادری فاضلی کو ایک ہی شاعر تصور کیا ہے جس کا ذکر ہم نے اس مضمون کی ابتدا میں کیا ہے۔

۱۱۔ این حنیف۔ بائیو گرافیکل انسائیکلوپیڈیا آف صوفیز آف ساؤتھ ایشیاء۔۱۷۸

۱۲۔ این حنیف۔ بائیو گرافیکل انسائیکلوپیڈیا آف صوفیز آف ساؤتھ ایشیاء۔۱۷۸

۱۳۔ امیر جیلانی۔ انور مرشد(بہاولپور: گردیزی پرنٹنگ پریس،۱۹۶۷ء)۹۱

۱۴۔ سید غلام جیلانی قادری۔ سراپا رمز۔ ایڈیشن ۲۰(س ن،۱۹۹۰ء)۹

۱۵۔ سید امیر جیلانی۔ انوار مُرشد(بہاولپور: گردیزی پرنٹنگ پریس،۱۹۶۷ء)۷۷

۱۶۔ سید امیر جیلانی۔ انوار مُرشد۔۸۶

۱۷۔ سید انوار جیلانی،۱۹۹۰،ٹائٹل

۱۸۔ عبدالغفور قریشی۔ پنجابی ادب دی کہانی(لاہور: پاکستانی پنجابی ادبی بورڈ،۱۹۸۹) ۳۴

۱۹۔ امیر جیلانی۔ انور مرشد۔۸۶

۲۰۔ امیر جیلانی۔ انور مرشد۔۸۷

۲۱۔ سید انور جیلانی، سراپا رمز،۱۹۳۲ء۔۲

۲۲۔ سید امیر جیلانی، نذرانہ مُرشد(بہاولپور: گردیزی پرنٹنگ،۱۹۶۷ء)۸۹

۲۳۔ پرشوتم اگروال۔ ”اکھ کہانی پریم کی“ (نئی دہلی: رام کمل پرکسانہ،۲۰۰۹) ۶۱

☆ پرانا چھند ہے جس میں کئی مصرعے ایک ہی وزن، ردیف اور کافیے کے ساتھ لگاتار آتے ہیں آخری مصرع الگ ہوتا ہے (عبدالغفور قریشی:۱۹۸۹،۸۷)

24- Victoria Fromking Robert Rodman, Nina Hyams: An Introduction to Lanaguage, 2011, Nelson Education ltd. pg:140-176

25- Carol Genehi (edit): "How Language Work" An introduction to Lanaguage and Linguistics, 2014, Cambridge University Press, pg: 94,140,150,167,170,171

۲۶۔ علی عباس جلالپوری۔ وحدت الوجود تے پنجابی شاعری(۱۹۸۶،)۲۲-۲۳

27- Jaun Mascaro. -"The Upanishads" (1974), (7th ed.) 93-94

28- Abdullah Yusuf Ali. A Cultural History of India during British Period. New Delhi, Saroop & Sons.) 67

29- David Ludden, Orientalist Empiricism, (1993) (USA University of Pennsylvania Press) 270

۳۰۔ عبدالغفور قریشی۔ پنجابی ادب دی کہانی(لاہور: پاکستانی پنجابی ادبی بورڈ،۱۹۸۹) ۳۴

۳۱۔ ناصر عباس نیئر۔ اردو ادب کی تشکیل جدید(کراچی: آکسفورڈ یونیورسٹی پریس،۲۰۱۶)

32- Malik, Jamal. Islam in South Asia (2008) (Leiden: Bril) 51

۳۳۔ ناصر عباس نیئر۔ اردو ادب کی تشکیل۔۱۰

34- Sadarngni, Neeti M. Bhakti Poetry in Medieval India (2004) (Saroop & Sons, New Delhi) vi-vii

❖❖❖